حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علم حدیث

ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ
وفات ۱۱۷۶ھ

جناب مولانا تقی الدین ندوی مظاہری استاذ حدیث
مدرسہ فلاح دارین ترکیسر (گجرات)

مجدد علم و حکمت حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب سرزمین ہند کے ان علماء میں ہیں، جن کی نظیر نہ صرف ان کے معاصرین اور ہندوستان میں بلکہ عالم اسلامی میں بھی نہیں ملتی،

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی و عملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے، اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، بالخصوص رسالہ "الفرقان" کا ولی اللہؒ نمبر قابل دید ہے، ہمارے اس ملک میں آج جو علم و حکمت باقی ہے۔ وہ حضرت شاہؒ صاحب کا صدقہ ہے، بالخصوص حدیث کا اس ملک میں جو چرچا ہے، اور بارھویں صدی سے آج تک پوری دنیائے اسلام میں علماء ہندوستان کو جو خصوصی امتیاز رہا ہے، وہ سب حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کا رہین منت ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں علم حدیث

اس میں شبہ نہیں کہ شاہ ولی اللہؒ کے بعد علم حدیث کی طرف ہندوستانی علماء کی توجہ زیادہ ہوگئی، اور اس ملک کو وہ مقام حاصل ہوا کہ شاہؒ صاحب کے بعد سے اب تمام ممالک اسلامیہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شاہ صاحب سے پہلے ہندوستان کا دامن علمِ حدیث سے بالکل خالی رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سرزمین ہند پر اسلام کی کرنیں ابتدا ہی میں پہنچ چکی تھیں، مگر ۵۸۹ھ کے بعد جو قطب الدین ایبک کا عہد ہے، باقاعدہ اسلام نے اس ملک کو اپنا وطن بنایا، درۂ خیبر سے آنے والوں میں حدیث کا کوئی

© rasailojaraid.com

مستند عالم نہیں ہوا، صرف شیخ اسمٰعیل محدث کی ذات مستثنیٰ ہے، یہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان میں علم حدیث و تفسیر کو لاہور میں لائے، ان کی وفات ۴۴۸ھ میں ہوئی[۱]،

ساتویں صدی میں حسن بن محمد صغانی (م ۶۵۰ھ) کے وجود سے علم حدیث کا چرچا ہوا، انھوں نے اپنی کتاب "مشارق الانوار" میں (۲۲۴۶) بائیس سو چھیالیس احادیث کا صحیحین سے انتخاب کیا جو ہندوستان اور ممالک اسلامیہ میں صدیوں تک زیر درس رہی ہے[۲]، اس کی مقبولیت کا یہ عالم رہا ہے کہ قاسم بن قطلوبغا، فیروزآبادی، صاحب قاموس، ابن الملک کرمانی جیسے علماء اس کے شارح ہیں،

صغانی کو علم حدیث میں جو مذاق تھا اس کا اندازہ مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کے اس بیان سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کی تصنیفات میں دو رسالے اور ہیں جن میں موضوع احادیث کو انھوں نے جمع کیا ہے، ان میں بعض ایسی حدیثوں کو درج کر دیا ہے، اس لئے ان کا شمار ابن جوزی کی طرح سخت گیروں میں ہے[۲]۔ بہرحال علامہ صغانی تو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دلی میں اور کوئی حدیث کا عالم ان کے زمانے میں موجود ہی نہیں تھا، حضرت نظام الدینؒ اولیاء فرماتے ہیں: ان دنوں "دلی" میں بڑے بڑے علماء موجود تھے، جو علوم میں صغانی کے مساوی تھے، مگر صغانی کو علم حدیث میں سب پر امتیاز حاصل تھا، اور اس علم میں ان کا مدمقابل کوئی دوسرا نہ تھا[۴]۔

ہندوستان میں حدیث سے بے اعتنائی کے سلسلے میں یہ مثال پیش کی جاتی ہے: کہ مسئلہ سماع پر بحث کے دوران میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ (م ۷۲۵ھ) نے امام غزالیؒ کے قول "یجوز لاھلہ ولا یجوز لغیرہ" کو حدیث قرار دے کر مجلس مناظرہ میں پیش کیا، فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے، لیکن حضرت کی طرف اس کا انتساب کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ ناقل ہی کا تسامح ہے کیونکہ میر خورد حضرت کے حالات میں لکھتے ہیں، کہ مشارق الانوار شیخ کو زبانی یاد تھی[۵]، بلکہ اسی سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت نے استاد مولانا کمال الدین سند میں یہ الفاظ لکھنے کے بعد "بان قرأ ھذا الاصل المستخرج من

[۱] تذکرہ علمائے ہند ص ۴۳
[۲] الفوائد البہیۃ ترجمہ حسن صغانی
[۳] ابجد العلوم ص ۸۹۱
[۴] فوائد الفواد ص ۱۰۴
[۵] سیر الاولیاء ص ۱۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الصحیحین علی ساطر ھذہ السطور"، صحیحین سے حدیثوں کا یہ مجموعہ جو منتخب کیا گیا ہے، اس کو ان سطروں کے لکھنے والے سے پڑھا ہے،

یہ الفاظ لکھتے ہیں،

قرأۃ بحث واتقان وتنقیح معانیہ وتنقیر مبانیہ	یہ پڑھائی کامل بحث واتقان اور معانی کی تحقیق اور اس کی بنیادوں کی کھوج کرید کے ساتھ ہوئی تھی،

۶۵۰ھ جو صغانی کی وفات کا زمانہ ہے۔ اسی کے بعد دلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی عجیب و غریب خانقاہ قائم ہوتی ہے، خانقاہ سے متصل ایک مدرسہ بھی تھا، جس میں مولانا فخر الدین ہدایہ کا درس دیتے تھے، ایک روز ان کے درس میں مولانا کمال الدین تشریف لائے، اس کے بعد مولانا فخر الدین نے اپنے ہدایہ پڑھانے کا طریقہ بدل دیا، یعنی جن حدیثوں سے صاحب ہدایہ استدلال کرتے ہیں، ان سے استدلال کرنا ترک کر دیا، اور صحیحین کی احادیث کو اپنے مسلک حنفی کی دلیلوں میں پیش کرنے لگے[1]

اس واقعہ سے مولانا فخر الدین کے فن حدیث میں رسوخ و مہارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حدیث سے بے اعتنائی کے سلسلے میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ علاء الدین خلجی (۶۹۵-۷۱۶ھ) کے دور کا یہ سانحہ ہے کہ مصر کے ایک مشہور محدث شمس الدین ترک حدیث کی ترویج و اشاعت کی دھن میں ہندوستان تشریف لائے، کہا جاتا ہے کہ وہ اسی غرض سے حدیث و متعلقات کی کوئی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے، ان کا خیال یہی تھا کہ ایک جامع شرح لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں، پر ابھی وہ ملتان ہی تک پہنچے تھے کہ انھیں معلوم ہوا...... کہ بادشاہ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں، اور نہ اسے جمعہ و جماعت کا خیال ہے، رنجیدہ ہوئے اور الٹے پاؤں واپس گئے۔[2]

اس واقعہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کی واپسی کے سبب سے ہندوستان علم حدیث سے محروم رہا، مگر جہاں تاریخ میں محدث شمس الدین ترک کی واپسی کا حال پڑھتے ہیں۔ وہیں ہمیں محمد شاہ تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ)

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۹۳

[2] امام ولی اللہ دہلوی از مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم

ے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عہد میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ علامہ جمال الدین مزی، حافظ شمس الدین ذہبی، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد مولانا عبدالعزیز اردبیلی دلی تشریف لائے، بادشاہ نے ان کی توقیر و تکریم کی[1]

خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان جلیل القدر محدثین کا شاگرد کسی ملک میں آئے اور بادشاہ بھی قدردان ہو تو بھلا علم حدیث کا چرچا نہ ہوا ہوگا؟

آٹھویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد رشید حافظ سخاوی کے متعدد شاگرد ہندوستان آئے، جن میں دو ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ایک مولانا رفیع الدین صفوی جنھوں نے شمالی ہند کے مشہور شہر آگرہ میں درس حدیث کا حلقہ قائم کیا اور دوسرے مولانا راجح بن داؤد نے گجرات کے مشہور شہر احمد آباد میں مدت تک درس حدیث دیا[2]۔

مولانا رفیع الدین کی جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "حافظ سخاوی نے سید رفیع الدین صفوی کی آمد سے قبل تقریباً پچاس کتابوں کے پڑھنے کی اجازت لکھ کر بھیج دی تھی، جس کے بعد سید رفیع الدین نے حاضر ہو کر بالمشافہ شیخ سخاوی سے حدیث پڑھی، ...... پھر آپ سلطان سکندر کے زمانے میں گجرات سے دہلی آئے، اور امراء سلطان کے کہنے پر آپ نے آگرہ میں قیام کیا،"[3]

مؤرخ ہندوستان مولانا سید عبدالحئی صاحب محمود شاہ بن حسن بہمنی م ۹۲۴ھ کے حالات میں لکھتے ہیں محدثین کی اس بادشاہ نے بڑی بڑی تنخواہیں جاری کر رکھی تھیں تاکہ باطمینان قلب کامل توجہ کے ساتھ علم حدیث کی اشاعت میں مصروف رہیں، یہ بادشاہ محدثین کی بڑی عزت کرتا تھا[4]۔

نویں صدی ہجری میں گجرات میں حدثنا و اخبرنا کا غلغلہ بلند ہوا، شیخ علی متقی صاحب منتخب کنز العمال[5] شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کے وجود سے وہاں علم کی خوب گرم بازاری رہی، جب اکبر (م ۱۰۱۴ھ) نے مملکت گجرات کو اپنے قلمرو سلطنت میں شامل کر لیا، تو وہ پھل پھول جاتی رہی[6]۔

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ ص ۵۲ ج ۳ [2] تذکرہ علماء ہند ص ۶۵
[3] اخبار الاخیار ص ۲۰۵
[4] نزہۃ الخواطر ص ۱۲۸ ج ۴
[5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان ندوی کا رسالہ "ہندوستان میں علم حدیث"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا ہو جس کا نام قدیم کے اس مشہور ہنو (HANNO) ملاّح کے نام پر رکھا گیا ہو جس کی رہنمائی میں ۵۰۰ قبل مسیح میں افریقہ کا سمندری سفر ہو چکا تھا۔ صیدا بندرگاہ کے شمال میں بائبلوس (BYBLOS) بندرگاہ کا سراغ بحیثیت فنیقی بندرگاہ ۲۸۰۰ قبل مسیح میں ملتا ہے۔ (اور یہ حقیقت بھی سامنے ہے کہ فنیقی ملّاح قدیم ترین لوگ تھے جو بحیرۂ روم کو کھنگال رہے تھے تو یہ قیاس قوی تر ہو جاتا ہے کہ وہ پہلا ہنو بھی جس نے افریقہ کا سفر کیا تھا کوئی ماہر فنیقی ملّاح ہی تھا۔ (جس کا کارنامہ کارتھیج کے ایک مقام حمامت (HAMMAMET) کے ایک سنگی کتبہ میں ملا تھا)

گوریلا کی اہمیت واضح ہو جانے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اس مخصوص جانور کو اس کی معروف صفات وانفرادیت کی بدولت ہی اسے کسی طرح حبشیوں کے ذریعہ سدھا (TAME) کرکے فنیقی ملّاح حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں زندہ لے جانے لگے ہوں گے۔ ممکن ہے ان سے بھاری بھاری کام بھی لیا جاتا رہا ہو۔ اور عجائبات کی حیثیت سے بھی محفوظ کئے جانے لگے ہوں)

۷۔ مور (PEACOCK) مور جسے عربی میں ' طاؤس ' کہتے ہیں ایک ایسا پرندہ ہے جو تقریباً ہر جنگل میں پایا جاتا ہے کہیں کم کہیں زیادہ۔ یہ اپنے بوجھل جسم کی وجہ سے ' دور تک لگاتار نہیں اڑ سکتا۔ ہندوستان میں بھی ملتا ہے اور مغربی افریقہ میں بھی۔ جہاں سے دیگر ضروری اشیاء فراہم کی جارہی تھیں اور ان کے لئے سارے اہتمام کے ساتھ تفتیشی سفر ہوتا تھا۔ ایک طرف کانوں سے سونا مہیا ہوتا رہتا تھا دوسری طرف دانت کے لیے بھی ہاتھی کا شکار ہوتا رہا ہوگا اور گوریلا زندہ پکڑے جاتے رہے ہونگے۔ اسی درمیان یا فراغت کے ایّام میں اگر مقامی حبشی مزدور فنیقیوں کو خوبصورت خوبصورت مور بھی پکڑ کر دیتے رہے ہوں گے تو پھر ان کو لے جانے میں کیا رکاوٹ تھی؟ یہ مور شاہی محلوں کی زینت بنے ہوں گے۔ یا چڑیا خانہ میں پالے گئے ہوں گے۔

یہ سچ ہے کہ مور اپنے پروں کی خوبصورت رنگینی کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے اور یہ اور اس کا پر ہندوستان کے درباروں کی زینت بنتا رہا یہاں تک کہ مغلوں کے زمانہ میں ایک خوبصورت تختِ طاؤس بھی بنایا گیا جسے ایک دوسرا بادشاہ اُچک کرلے بھی گیا یہ بھی صحیح ہے کہ دوسرے جانوروں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں نور غیبی کی مدد سے "فقہا محدثین" کا طریقہ دل نشین ہوا ،
غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۲ برس اس طرح گذرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا ، اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی مجاورت اور شیخ ابو طاہر قدس سرہٗ و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری توجہ کا خاص مرکز رہا ، اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں بارش ہوئی ۔ نیز اسی سفر میں حرمین شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا ، حضرت شیخ ابو طاہر مدنی قدس سرہٗ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں عنایت ہوا ، پھر ۱۱۴۴ھ کے آخر میں حج سے مکرر مشرف ہوکر اوائل ۱۱۴۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی ، اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالیٰ صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں "علم حدیث پدرم از مدینہ منورہ آوردہ ، چاردہ ماہ در حرمین بسر بودہ سند کردہ"[2] میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے تھے ، چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی ۔

شاہ صاحب کی علمی استعداد کا اندازہ اس دور طالب علمی میں جب شیخ ابو طاہرؒ سے پڑھ رہے تھے ، خود شیخ ابو طاہر کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے کہ "یسند عنی اللفظ وکنت اصحح منہ المعنی"[3]
یہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں ۔

شاہ صاحبؒ حرمین شریفین سے جن ارادوں کی تکمیل کے لئے ہندوستان واپس ہوئے تھے ، ان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم رکھا ، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے ان کے استاد حدیث نے آپ سے ارشاد فرمایا "ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردہ ام الا علم دین (حدیث)"[4] ، میں نے جو کچھ پڑھا تھا ،

---

[1] الجزء اللطیف ص [illegible] فی ترجمۃ العبد الضعیف

[2] ملفوظات ص ۹۳ [3] الیانع الجنی ص [illegible] [4] ملفوظات ص [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبب بھلا دیا بجز علم حدیث کے۔

شاہ صاحبؒ کا درس حدیث شاہ صاحبؒ حجاز مقدس سے ہندوستان واپس تشریف لائے، اور یہاں آکر صرف تین مشغلے اختیار فرمایا، شاہ عبدالعزیزؒ صاحب ہی کا بیان ہے "خود معارفؒ کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے، اور صرف حدیثؒ پڑھاتے۔[1]

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "کہ حرمین میں درسِ حدیث کے تین طریقے ہیں (۱) سرد (۲) بحث و تحقیق (۳) درس کا وہ طریقہ ہے جس کا نام امعان و تعمق کا طریقہ ہو سکتا ہے، یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے متعلقات پر مالہ و ما علیہ پر بحث کی جاتے، اس تیسرے طریقہ کو شاہ صاحبؒ نے واعظوں و قصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے، اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لئے مفید بتایا ہے، اور پہلا طریقہ دورۂ حدیث کے لئے قرار دیا ہے۔[2] اس لئے شاہ صاحبؒ کے یہاں مشکوٰۃ شریف بحث و تحقیق سے اور صحاح ستہ سرداً ہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں، ان پر طلبہ کو متنبہ کیا جاتا تھا، مثلاً بخاری کی غرض احادیث صحیحہ کے انتخاب کے ساتھ طرق استنباط ہے، اس لئے صحیح بخاری کے تراجم ابواب نہایت مہتم بالشان سمجھے گئے ہیں، اور اہل درس کا مشہور مقولہ ہے "فقہ البخاری فی تراجمہ" "بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے"

شاہ صاحبؒ نے ایک رسالہ شرح تراجم ابواب بخاری پر لکھا ہے، جو عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے، ابتداء رسالہ میں پندرہ[*] اصول بیان فرماتے ہیں، جن کے بارے میں خود شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ ہر طالب علم کے لئے ان اصولوں کا یاد رکھنا واجب ہے، بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تعلیم حدیث کا کیا طرز تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس جس کو دورۂ حدیث کہتے ہیں اس کے بانی اول بی الواقع حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی کی ذات گرامی ہے۔

---

[1] ملفوظات ص ۳۴

[2] ماخوذ از انفاس العارفین ص۱۰۸

[*] حضرت استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ ظلہٗ نے شاہ کے ان اصولوں اور متقدمین و متاخرین کے اقوال و آراء اور اپنی ذاتی تحقیقات سے ان اصولوں کی تعداد ۷۰ بیان فرمائی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری کا مقدمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصنیف وتالیف کی راہ سے خدمت حدیث | شاہ صاحبؒ کا بیش قیمت علمی ترکہ پوری ملت اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کے لئے سرمایۂ فخر ہے لیکن اس علمی حقیقت تک ان لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحبؒ کے خارق عادت علمی و ذہنی کمالات کا مشاہدہ (بُعدِ زمانی و بُعدِ مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہو سکا آپ کی تصانیف کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

دسویں صدی یعنی ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد تمام عالم اسلامی پر ایک عام علمی و تصنیفی انحطاط چھا گیا تھا، مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت شاہ صاحب کو مقام تجدید و امامت پر فائز فرمایا تھا، اس لئے ان کے علوم و معارف کی سطح اپنے زمانے کے علماء سے بہت بلند ہے، خود فرماتے ہیں کہ "تخریج بہ تخریج اور تفریع بہ تفریع" کے دور میں پیدا ہوئے[1]۔ "علم حدیث" کی جو خدمت آپ سے انجام پائی اس کو تین عناوین کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کتاب و سنت کا باہم ربط | قرآن و حدیث میں متن و شرح کا ربط ہے، کتاب اللہ بمنزلہ متن ہے، اور حدیث بمنزلہ شرح، قرآن مجید میں بھی اس پر تنبیہ کی گئی ہے، امام شاطبیؒ لکھتے ہیں۔

فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب[2]	گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے

امام شافعیؒ نے اپنی مشہور تصنیف "الرسالہ" میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو عینہ قرآن پاک میں مذکور ہے، دوسری وہ جو قرآن کے مجمل حکم کی تشریح ہے، تیسری وہ جس کا ذکر بظاہر قرآن کریم میں نہ تفصیلاً ہے، اور نہ اجمالاً، اس کے متعلق امام شافعیؒ نے علماء کے چار نظریے نقل کئے ہیں، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال بھی صحیفۂ ربانی سے مستنبط ہیں[3]۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی حدیث کے تمام ابواب کتاب اللہ سے مستنبط ہیں، اپنی کتاب خیر کثیر میں فرماتے ہیں، میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے مستنبط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں، میرا

---

[1] ازالۃ الخفاء، ص ۱۰۷، ج ۱ [2] الموافقات ص ۸ ج ۴، الرسالہ ص ۲۰ و ۲۹
[3] الخیر الکثیر ص ۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں[1]۔ اس کی تفصیل بھی فرمائی ہے، اور اس کے نمونے منتشر طور پر ان کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں جس سے اس موضوع پر آئندہ کام کرنے میں پوری طرح رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حدیث و فقہ کا ربط: جس طرح حدیث کتاب اللہ کی شرح ہے، اسی طرح فقہاء کے اجتہادات درحقیقت احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و تفصیل ہیں[2]، شاہ صاحب جس دور میں پیدا ہوئے تمام بلاد اسلامیہ میں علم حدیث پر زوال آچکا تھا، بالخصوص ترکستان، ایران و ماوراء النہر کے حنفی فقہاء کی ساری دلچسپیاں صرف فقہ، معقولات و تصوف سے تھیں، فقہ کا رشتہ گویا حدیث سے الگ ہو کر رہ گیا تھا، شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں پوری قوت سے حدیث و فقہ کے رشتے کو اجاگر کیا، کیوں کہ حدیث سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے حنفی، شافعی گروہی عصبیتوں کا بازار گرم تھا، ہر ایک دوسرے کی تردید و تغلیط میں مشغول تھا، حالانکہ ائمہ فقہ میں ہر امام کا استدلال کسی نہ کسی حدیث سے ہے، شاہ صاحب نے جس طرح فقہ حنفی کو پڑھا اسی طرح ائمہ ثلاثہ کی فقہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، بالخصوص "امام شافعیؒ کی کتاب الام" تو بکثرت مطالعے میں رہی، حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید میں اس سے جا بجا نقل بھی فرمایا ہے، شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا، اسے واضح کیا، اور یہ بتایا کہ فقہ اسلامی اور اسلامی قوانین کا تعلق کتاب و سنت کے سرچشموں سے ہے، ضرورت ہے کہ یہ تعلق مسلسل تر و تازہ رہے اور ہر مذہب کا پیرو ان علل و اسباب سے واقف رہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے، تاکہ مذہبی عصبیت کا زہر کم ہو، اس سلسلے میں رسالہ الانصاف، عقد الجید، حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب بالخصوص مؤطا کی شرح فارسی مصفّیٰ اور عربی تعلیق مسوّیٰ سے پوری طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نواب صدیق حسن خاںؒ مشہور اہل حدیث عالم لکھتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن و سنت

---

[1] الموافقات ص ۵ ج ۲ الرسالہ ص ۲۰ و ۲۹

[2] الخیر الکثیر ص ۸

[3] افادات حضرت الاستاد مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرپیش کرتے ہیں، اور مسائل فقہیہ کے ہر ہر باب کو قرآن و حدیث پر تطبیق دیتے ہیں، ..... اور ان کا یہ علم طریقہ مذہب حنفی ہے[1]، شاہ صاحبؒ حنفیہ کے اس قول کو ترجیح دیتے تھے جو انھیں کتاب و سنت سے اقرب معلوم ہوتا تھا اس میں حدیث فہمی کا کامل معیار پیش کیا ہے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی راہ اچھی طرح کھول دی ہے۔

رموز شریعت و اسرار سنت شاہ صاحبؒ کی تصنیفات عام زمانہ کی روش سے بالکل مختلف ہیں، علم حدیث پر شاہ صاحبؒ نے جس نہج پر کام کیا، اور اس کے اسرار و حِکَم کو قلمبند فرمایا، اس کا اندازہ حجۃ اللہ البالغہ از کتاب الایمان تا ختم کتاب ابواب ازالۃ الخفار کے بعض ابواب سے لگایا جا سکتا ہے، ان ابواب میں احادیث کے جو حقائق و رموز بیان فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کی جا سکتی فرماتے ہیں "حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام و قوانین کی مصلحتیں و ترغیبات کی حکمت، اور وہ ساری باتیں جو پیغمبرؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں، اور جن کی آپؐ نے تعلیم دی ہے ان سب کے اسرار و رموز کو بیان کرنا دراصل ایک فن ہے، اس فقیر سے پہلے حتمی پختہ بات میں نے لکھی ہے، کسی سے یہ بن نہ آیا، اس فن کی بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہو، تو چاہیئے کہ کتاب " قواعد " کو دیکھے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے، مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہو سکی[2]۔

شاہ صاحبؒ کے لئے یہ نیا موضوع نہیں تھا، جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں خود فرماتے ہیں، امام غزالی، امام خطابی اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے احکام شرعی کے حِکَم و مصالح بیان کئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اس اہتمام و جامعیت اور وسعت کے ساتھ اسلام کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحبؒ سے پہلے نہیں ملتی، شاہ صاحبؒ نے آنے والے حالات و ضروریات کے احساس کے تحت حدیث کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات و اقتصادیات کے غیر متعارف اور صد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دئے ہیں، عہد حاضر میں

---

[1] الحطۃ بذکر الصحاح الستہ ص ۱۷

[2] انفاس العارفین ص ۱۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے کہ حدیث کے ذخیرے پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی و اجتماعی مسائل میں فرمودات نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا ہے، اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ کی تصنیفات سے بہت کچھ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے سلسلۂ حدیث کی مقبولیت | آج ہندوستان میں علم حدیث کا جو دور دورہ ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخلصانہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے، مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے امیر خان نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہے گا، حضرت نانوتویؒ کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتوی ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے، اور درخواست کی کہ حدیث کی سندِ اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاد مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ اسحاق صاحب کے، شاہ اسحاق صاحب سے بھی وہ ناواقف تھے، پوچھا کہ وہ کس کے شاگرد تھے؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے، شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام سن کر محدث صاحب رو کے بولے اُن کو میں جانتا ہوں، اور اس کے بعد فرمایا، شاہ ولی اللہؒ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں، وہاں جنت ہے، اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے، یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے، وہاں جنت ہے، اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں۔[1]

مصر کے مشہور و معروف عالم علامہ رشید رضا مرحوم "مفتاح کنوز السنہ" کے مقدمہ میں ہندوستانی علماء کا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد علم حدیث سے جو اشتغال رہا ہے، اور اس میدان میں ان کی جو خدمات ہیں، جس کا سلسلہ الحمد للہ اب بھی جاری ہے اس کا اعتراف علامہ موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے:

لولا عنایۃ اخواننا علماء الهند بعلوم الحدیث — اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں، اگر حدیث

---

[1] امیر الروایات ص ۱۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی ھذا العصر یقضی علیھا بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والحجاز منذ القرن العاشر للھجرۃ حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر وانی لما ھاجرت الی مصر سنۃ ۱۳۱۵ھ رأیت خطباء مساجد الازھر وغیرہ یذکرون الاحادیث فی خطبھم غیر مخرجۃ ومنھا الضعیف والمنکر والموضوع ومثلھم فی ھذا الوعاظ والمدرسون ومصنفو الکتب فکنت انکر ذلک علیھم کما بدأت بانکار مثلہ علی اھل بلدی طرابلس قبلھم[1]

کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیوں کہ مصر، شام، عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا، اور چودھویں صدی کی اوائل تک ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا، میں نے جب ۱۳۱۵ھ میں مصر ہجرت کی تو ازہر کی مسجدوں کے خطیبوں کو دیکھا کہ اپنے خطبوں میں ایسی حدیثیں پڑھتے ہیں، جن کا پتہ نہیں ان میں ضعیف منکر اور موضوع وجعلی روایتیں بھی ہوتی تھیں، اور یہی حال واعظوں، مصنفوں، مدرسوں سب کا تھا، میں ان کو ٹوکتا تھا جیسا کہ اپنے وطن طرابلس میں بھی یہی کرتا۔

علامہ موصوف درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے سلسلے کے کارناموں کا اعتراف کر رہے ہیں، شاہ صاحبؒ کے بعد ہندوستانی علماء نے علم حدیث کی کیا خدمات انجام دیں اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[1] مفتاح کنوز السنۃ ص ۲

مفتی اعظمؒ کی یاد

حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی پر یہ پہلی قابل قدر کتاب ہے جو آپ کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمان واصف مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی نے مرتب فرما کر شائع کی ہے اس میں ہند و پاکستان کے دیگر علما اور اہل قلم حضرات کے موقر مقالات بھی شامل ہیں۔ اور حضرت مفتی اعظمؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم صدر جمعیۃ علمائے ہند کے مختصر حالات بھی کتاب کے آخر میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب حضرت مفتی اعظمؒ کی سیرۃ کا ایک بہترین مرقع ہے۔

سائز متوسط صفحات ۲۲۸ قیمت پانچ روپئے۔ کاغذ سفید عمدہ۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com